بیسویں صدی کا پنجابی زبان وادب اور ڈاکٹر فقیر محمد فقیرؒ

محمد جنید اکرم
ریسرچ سکالر، ڈاکٹر فقیر محمد فقیر چیئر، اورینٹل کالج، پنجاب یونیورسٹی، لاہور

TWENTIETH CENTURY PUNJABI LANGUAGE AND DR. FAQIR MUHAMMAD FAQIR

Muhammad Junaid Akram
Research Scholar, Dr. Faqir Muhammad Faqir Chair,
Punjab University Oriental College, Lahore

Abstract

Dr. Faqir Muhammad Faqir is a 20th century renowned poet, author, researcher, critic, historian and above all, a lover of Punjabi language. He rendered valuable services to Punjabi language by compiling classical Punjabi literature along producing new prose and verse. He was given the title of "Father of Punjabi Language" and "The Omer Khayyam of the Punjab" by the literary circles. This article covers his literary contributions to Punjabi language and literature besides determining his status in 20th century Punjabi literati.

Keywords:

علامہ اقبال، تحریک پاکستان، گوجرانوالہ، میر تقی میر، پنجابی، ہیر، داسن،
صدائے فقیر، سوہنی مہینوال، سسی پنوں

بابائے پنجابی ڈاکٹر فقیر محمد فقیرؒ ۵ جون ۱۹۰۰ء کو پنجاب کے مردم خیز شہر کوجرانوالہ میں پیدا ہوئے اور ۱۱ ستمبر ۱۹۷۴ء کو یہیں وفات پائی اور مزار حضرت مبارک شاہؒ کے احاطے میں سپردِ خاک ہوئے۔(۱) اپنے ایک مطبوعہ مضمون بعنوان ''میری آپ بیتی'' میں بابائے پنجابی رقم طراز ہیں:

''۱۹۱۵ء کے ابتدائی ایام میں اپنے والد حکیم میاں لال دین مرحوم ومغفور کی وفات پر میں نے اچانک اپنی طبیعت کو شعر کوئی کی جانب مائل پایا''(۲) گویا کم سنی ہی میں اُنہوں نے دوسرے جنم کے مرحلے کو طے کرلیا تھا۔فقیر محمد سے فقیر محمد فقیرؒ کی سمت طبیعت گامزن ہوچکی تھی۔میر تقی میر نے کہا تھا:

ہم بہت رنج و الم سہتے ہیں تب کہیں جا کے غزل کہتے ہیں

اپنے والد گرامی سے محبت کی شدت اور غم کی اس کیفیت نے اُن کے قلم سے ایک مرثیہ تخلیق کروایا، جس کا مطلع اِس طرح تھا:

دِل دی وسدی بستی اُجاڑ میری، واہی آپ نیں کیتے سدھار چلے

رونا دے کے میریاں اکھیاں نوں لے کے دِل دا صبر قرار چلے (۳)

بیسویں صدی میں پنجابی زبان کے فروغ اور پنجابی ادب کے استحکام کی خاطر محنت کرنے والوں میں سب سے معتبر، اہم اور اوّلین نام بابائے پنجابی ڈاکٹر فقیر محمد فقیر ہی کا ہے۔آپ ہمہ جہت ادبی شخصیت کے مالک تھے۔قدرت نے اُنہیں بے شمار گُنوں سے نوازا تھا۔

ڈاکٹر فقیر مرحوم نے شاعری میں تقریباً تمام اصنافِ سخن میں طبع آزمائی کی، پنجابی زبان کی قدیم کلاسیکی روایات کو برقرار رکھتے ہوئے اُنہوں نے وارثی بحر میں ہیر لکھنے کا تجربہ کیا۔ڈاکٹر صاحب کے پوتے عبدالباسط باسط سے ملنے والی چند نایاب ڈائریوں میں بابائے پنجابی نے ہیر کے کچھ شعر نقل کیے ہیں جس کے اختتام پر ۲۲ جنوری ۱۹۲۷ء کی تاریخ مرقوم ہے۔میری تحقیق کے مطابق آپ نے مکمل داستانِ ہیر کو پنجابی زبان میں نظم کیا اور کئی ایک ادبی مجلسوں اور مشاعروں میں پڑھ کر بھرپور داد بھی حاصل کی۔حتیٰ کہ پنجابی زبان کے معروف سکالر پروفیسر ڈاکٹر موہن سنگھ دیوانہ نے ۱۹۴۴ء میں اُن کی کتاب ''رُباعیاتِ فقیر'' کے آغاز میں ''پرکھ'' کے عنوان سے تبصرہ لکھتے ہوئے تحریر کیا ہے :

''ڈاکٹر فقیر دی ہیر دا اکا روارث توں وڈا اے''۔(۴)

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اُنہوں نے اِس کی اشاعت کا اہتمام کیوں نہ کیا ؟؟؟

ڈاکٹر صاحب کے قریبی ملنے والوں اور ہم عصر ادیبوں شاعروں کے مطابق آپ بے نیاز طبیعت کے مالک تھے۔ اُنہوں نے زندگی بھر خود نمائی سے گریز کیا اور پنجابی کے صوفیا کے کلام کو منظرِ عام پر لانے کے لیے تگ و دو کرتے رہے۔ مگر اپنی فقیرانہ طبع کا عالم یہ تھا کہ اپنی تخلیق کی ہوئی اس داستان ''ہیر رانجھا'' کو زیورِ طباعت سے آراستہ کروانے کا موقعہ ہی نہ ملا۔ اُن کی وفات کے بعد تمام مطبوعہ کتب اور غیر مطبوعہ مسودات ان کے قریبی عزیز کوجرانوالہ کے معروف ایڈووکیٹ اور پنجابی انشائیہ نگار ارشد میر مرحوم کے قبضے میں آگئیں، جن میں ہیر رانجھا کا مکمل غیر مطبوعہ مسوّدہ بھی ارشد میر مرحوم کی ذاتی لائبریری میں عرصہ دراز سے محفوظ پڑا ہے۔ (۵) اس شاہ کار داستان کے بالکل آغاز سے حمد کے چند شعر دیکھیے:

حمد عالمِ حُسن و جمال دی اے، عاشق ہین جس دے روادار سائیں
گھونگھٹ میم دا گھت کے مُکھڑے تے چُھپیا وچ پردے پردہ دار سائیں
پایا بھید مخفی بھید یار وچوں کیتا شہرتاں نے آشکار سائیں
لے کے میم امانت دی اُٹھ مُریا رازدار کولوں رازدار سائیں
رکھے ننگ ناموس ہماتڑاں دے پردے پوش ستار غفار سائیں
اوگھہار فقیر دے ساز اندر تار تار بولے بخشہار سائیں(۶)

پنجابی زبان میں منظوم داستان گوئی کی روایت کو مزید آگے بڑھاتے ہوئے جواں عُمری ہی میں بابائے پنجابیؒ نے ایک اور عظیم المرتبت مثنوی ''دسکی'' تخلیق کی جو کہ ۵۹۴ صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ مثنوی پنجابی کلاسیکل روایات کی معروف مولوی غلام رسول عالم پوری اور میاں محمد بخش کی سیف الملوک کی بحر میں تخلیق کی گئی ہے۔ اِس مثنوی کی تکمیل ۷ جون ۱۹۳۹ء بروز منگل ہوئی۔ مجھے اس مثنوی کے قلمی مسودے کے چند صفحات دیکھنے کا اِتفاق ہوا ہے۔ مختلف عنوانات تلے تخلیق کیے ہوئے تین سو ستائیس (۳۲۷) اشعار اس مثنوی کے تلاش کرنے میں مجھے کامیابی ہوئی ہے۔ اس مثنوی کا کتابت شدہ مکمل غیر مطبوعہ مسوّدہ بھی ارشد میر مرحوم کی ذاتی لائبریری میں محفوظ ہے۔ (۷) اس مثنوی کا ہر دوسرا

شعر ایک قولِ زریں کی حیثیت رکھتا ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

عِلم میرے دی تیرے اگے بند زبان خدایا   مُردے دے وچ فضلوں کرموں پائیں جان خدایا
عِلم تیرا جد سینیاں دے وچ معنیاں دے در کھولے   کیکر فیر زباناں وچوں جبر آئیل نہ بولے
اکھاں دے وچ ناچ کرے جس سوہنے دی وڈیائی   دیاں فقیر میں ماں اوہدے دی بھلا نہ کویں دُہائی

لایاں عشق نہ لگے دل نوں تے نہ چھڈیاں چُھٹے   جس بستی وچ وڑدا ڈاکو کِلے کوٹھے لُٹے
عشق فقیر دلاں دا ضامن مارے باہر نہ جھاتی   عشق فقیر ہے ساری دُنیا عشق فقیر حیاتی
رُت سہانی درد میرے تھیں ڈاڈھی پھبی ہوئی   دل سینے وچ، اگ جویں وچ لکھاں دبی ہوئی
سوچ میری دے ٹورے مُردا عرش بُلند کواچا   مکن وچ نہ آوے کدھرے پندھ میرا آن جا چا
چڑھدا چن کرے رُشنائی تارے لاندے لووان   لبھدے میریاں کیڑاں دوویں، میں جد ٹنا ہوواں

اور پھر فرماتے ہیں:

گل بندے نوں تخت بہاندی، گل چڑھاندی سولی   گلوں واہدے وٹے لکھاں گلوں گھاٹ سمولی (۸)

افسوس کہ پنجابی زبان کے ادب عالیہ کی یہ دو عظیم تخلیقات جن کا ہر شعر ہماری معاشرتی زندگی کی جیتی جاگتی تصویر ہے اور اپنی ادبی اہمیت اور آب وتاب کا راگ الاپ رہا ہے وہ ہماری سُستی اور بے پرواہی کی وجہ سے وقت کی گرد میں گم ہوتی جارہی ہیں۔

قیامِ پاکستان سے پہلے کے دور ہی میں ڈاکٹر فقیر کا تیسرا بڑا شعری کارنامہ، جس نے علمی ادبی اور شعری مجلسوں میں اُنہیں شہرت اور عزّت سے نوازا، ''داسن'' ہے۔ ''داسن'' ماضی قریب میں پنجابی زبان کی ایک معروف صنفِ سخن رہی ہے۔ اس میں بالعموم کسی عشقیہ داستان کو بیان کیا جاتا ہے۔ یہ مسدس نظم کی صورت میں ہوتی ہے۔ اس کے پہلے بند کے تمام مصرعوں میں لفظ ''داسن'' کو ردیف رکھا جاتا ہے بعد ازاں ہر بند کے آخری دو مصرعوں میں ''داسن'' ردیف کے طور پر باندھا جاتا ہے۔ داسن لکھنے کی روایت بیسویں صدی کے پنجابی ادب ہی میں متعارف ہوئی۔ اُستاد عشق لہر نے زلیخا کے حضرت یوسفؑ سے عشق کو داسن کا موضوع بنایا، پیر فضل حسین فضل گجراتی نے سوہنی مہینوال کے عشق

اور ڈاکٹر فقیر محمد فقیر نے سسی پنوں کے عشق کو داسن کا موضوع بنایا اور تینوں اساتذہ نے شاہ کار داسن تخلیق کیے۔ ڈاکٹر فقیر نے ایک نعتیہ داسن بھی لکھا جس کا صرف ایک بند ارشد میر مرحوم نے نقل کیا باقی ماندہ اشعار اُنہیں نہ مل سکے۔(۹) داسن کے دو بند دیکھیے:

لتھے ہوت آ سسی دے باغ اندر چوغے کار چوبی زرنگار داسن
شعلہ رُو جاں حشر دی چال چلن مارن بجلیاں وانگ لشکار داسن
پتے پُچھیاں جدوں بلوچ دسن لوکیں چُمدے نال پیار داسن
کنبدے پھرن دل کیاں نمانیاں دے کھلے چھڈ کے میر شکار داسن
محرم دِلاں دے آن مہمان ہوئے لنگھے کھول جاں سرِ بازار داسن
مخبر سسی نوں وی پتے آن دِتے لے شہزادیئے اج سوار داسن(۱۰)

جب سسی پنوں کو پہلی بار دیکھتی ہے تو اُس کی بے قراری کا عالم دیکھیے اور شاعر کا اندازِ بیان ملاحظہ فرمایئے:

بغلوں کڈھ تصویر ملان لگی گھڑی خوشی دی جویں دلگیر ویکھے
ویکھے کدی تصویر تے کدی پنوں کدی پنوں تے کدی تصویر ویکھے
پایا رُوپ بہروپ دا اکھیاں نے بیٹھا کول صیاد اسیر ویکھے
ملیا مال تے چور دی لادھ ہوئی سسی ہوت جاں نال نظیر ویکھے
پلا پنوں دا دوڑ کے پگڑ بتھیں ول کے کر لیتو سو گل دا ہار داسن
جاتا عاشقاں حشر بپا ہویا پگڑ کھلا جاں یار دا یار داسن (۱۱)

ڈاکٹر محمد اسلم رانا لکھتے ہیں کہ ڈاکٹر فقیر محمد فقیر کی حیثیت پنجابی زبان کے کلاسیکل اور جدید دور کے درمیان ایک پُل کی سی ہے۔(۱۲) اُنہوں نے ایک طرف ہیر اور سسی جیسی شاہ کار تخلیقات سے قدیم روایات کے آخری شاعر کی حیثیت حاصل کر لی اور دوسری طرف جدید طرزِ سخن کی مضبوط بنیاد یں استوار کر کے جدید دور کے شعرا کی اوّلین صف میں اہم مقام حاصل کر لیا۔ اُن کا با قاعدہ پہلا شعری مجمو عہ جو منظرِ عام پر آیا وہ "صدائے فقیر" ہے۔

ہندوستان میں اُنیسویں صدی کے وسط میں جب انگریزی ڈاکوؤں نے ایک طویل سازش کے بعد بالآخر ۱۸۵۷ء میں تختِ ہندوستان پر متمکن بادشاہ کو حراست میں لے لیا تو یہاں جس تحریک نے جنم لیا وہ تاریخ میں ''تحریکِ آزادی'' کے نام سے جانی جاتی ہے۔ اِس تحریک میں ہندوستان کے تمام مذاہب کے لوگ بلا امتیازِ رنگ و نسل شریک تھے۔ بعد ازاں کئی ایک مذہبی اور سیاسی وجوہات کی بنیاد پر ۱۹۳۰ء میں جب حکیم الامت ڈاکٹر علامہ محمد اقبال نے خطبہء الہ آباد پیش کیا تو اُس کے نتیجے میں دوسری تحریک نے زور پکڑا جسے ہم ''تحریک قیامِ پاکستان'' کے نام سے جانتے ہیں۔ ڈاکٹر فقیر کا پہلا شعری مجموعہ صدائے فقیر تحریک آزادیء ہند کے زمانے میں شائع ہوا تھا۔ ۱۹۲۴ء میں شائع ہونے والے اِس شعری مجموعے ''صدائے فقیر'' میں چودہ طویل نظمیں، قطعات اور چومصرعے شامل کیے گئے۔ اِن طویل نظموں کو بھی کلاسیکل طرزِ سخن کا شاہ کار قرار دیا جا سکتا ہے۔ اِن نظموں میں بالعموم اہالیانِ ہندوستان اور بعض مقامات پر خصوصاً مسلم اُمہ کو خطاب کیا گیا ہے۔ (۱۳) اِس کتاب کے اب تک چار ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ ڈاکٹر علامہ محمد اقبال کی رائے میں:

> ''صدائے فقیر کی تمام نظمیں دِلکش ہیں اور وقت کے تقاضے کو پورا کرتی ہیں۔ اِس وقت ایک مفکر کا یہی منصب ہے کہ وہ قومی اور ملکی تقاضوں کو پورا کرنے میں کوتاہی نہ برتے اور پوری توجہ اور انہماک سے اِس کام کو جاری رکھے۔'' (۱۴)

صدائے فقیر میں شامل تقریباً تمام نظمیں انجمن حمایت اِسلام کے اسٹیج پر پڑھی گئیں جو اُس دور میں ہندوستان کے مسلمانوں کا سب سے اہم سیاسی اسٹیج جانا جاتا تھا۔ افسوس ناک اِتفاق یہ ہے کہ اِس کتاب کا مطالعہ کرتے ہوئے آج تقریباً ایک صدی گذرنے کے بعد بھی اِس کا ہر لفظ اور ہر مصرعہ عصرِ حاضر کی اندھیر نگری اور چوپٹ راج کا واویلا کرتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ (۱۵)

ڈاکٹر فقیر محمد فقیر کے شعری سفر کو اگر ادوار میں تقسیم کیا جائے تو ۱۹۱۵ء یعنی زمانہء آغاز سے ۱۹۳۰ء تک کا دور اُن کے شعری سفر کا پہلا دور کہلائے گا۔ اِس دور میں ہیر اور دامن جیسی تخلیقات کے علاوہ قطعات، رُباعیات اور غزل گوئی کی جانب طبیعت مائل رہی نیز صدائے فقیر کی اشاعت ہوئی۔

۱۹۳۰ء سے ۱۹۴۷ء تک اُن کے شعری سفر کا دوسرا دور ہے۔ دوسرے دور کے آغاز میں وہ عجیب تذبذب کا شکار رہے۔ قیامِ پاکستان کی حمایت میں بات کی جائے یا متحدہ ہندوستان کے حمایتیوں کا ہم آواز بنا جائے؟؟؟ بالآخر مولانا ظفر علی خان اور جسٹس شیخ دین محمد جیسے دوستوں کی قربت رنگ لائی اور آپ نہ صرف یہ کہ مسلم لیگ کے ہم آواز بنے بل کہ تحریکِ قیامِ پاکستان کی کامیابی کے لیے باقاعدگی سے چندہ دینے والوں میں بھی شریک ہو گئے۔(۱۶) بشیر حسین ناظم اپنے والدِ گرامیؒ سے روایت کرتے ہیں کہ ۱۹۴۶ء میں جب قائد اعظمؒ گوجرانوالہ تشریف لائے تو بہت سے لوگوں نے اُنہیں چندے کے طور پر رقوم پیش کیں۔ بعد ازاں ایک شخص جو اپنے حسن و جمال خوش وصفی و خوش قطعی و رعنائی میں سب پر فوقیت رکھتا تھا، آیا اور اُس نے اپنی گاڑی کی چابیاں قائد اعظمؒ کی خدمت میں پیش کیں اور بولا:

گر قبول اُفتد زہے عز و شرف

قائدِ اعظم فرمانے لگے: ''بہت اچھا فقیر تم نام کے فقیر اور دل کے امیر ہو میں تمہارے اِس تحفے کی قدر کرتا ہوں۔''(۱۷)

گویا اب ڈاکٹر فقیر محمد فقیر کے شب و روز تحریکِ قیامِ پاکستان کے لیے وقف ہو چکے تھے۔ دوسرے دور یعنی ۱۹۳۰ء سے ۱۹۴۷ء تک کے زمانہ میں ''سنگی'' مکمل ہوئی اور ''رُباعیاتِ فقیر'' کی اشاعت ہوئی۔ رُباعیاتِ فقیر کو نیلے تارے کا نام بھی دیا گیا۔ مجھے ہندوستان کے پہلے سفر میں معروف سکھ سکالر پروفیسر ڈاکٹر ہرنام سنگھ شان سے ملاقات کا شرف ملا تو اُنہوں نے قیامِ پاکستان سے قبل ہندوستان کی یونی ورسٹیوں کے لیے پنجابی کی ایک نصابی کتاب ''دومیل'' جو گرمکھی سکرپٹ میں چھپی ہوئی تھی، وہ تحفتاً عنایت کی جس میں بابائے پنجابی کی رُباعیات شامل کی گئی تھیں۔ اِس دور میں رُباعیاتِ فقیر کے دو ایڈیشن شائع ہوئے پہلا ۱۹۴۴ء میں اور دوسرا ۱۹۴۶ء میں شائع ہوا۔ قیامِ پاکستان کے بعد بھی اس کتاب کے چار ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ پنجابی زبان کی ادبی تاریخ میں ڈاکٹر فقیر کو پنجابی رُباعی کا باوا آدم کہا جاتا ہے۔ انہوں نے خود بھی اِس بات کا دعویٰ کیا ہے۔ اُنہوں نے نہ صرف یہ کہ پنجابی ادب میں اِس صنفِ سخن کو رُوشناس کروایا بل کہ اِسے بامِ عروج پر بھی پہنچایا۔

اپنی ایک غزل کا مقطع اِس طرح لکھتے ہیں :

فنِ شعر دے کول جواب جد کوئی اوہدی غزل تے میری رُباعی دا نہیں
کیوں نہیں غزل پنجابی دا فضل حافظ تے فقیر میں عمر خیام کیوں نہیں (۱۸)

اس ضمن میں شاعر اور نقاد جناب صدیق ناشیر کا طویل مضمون بعنوان ''رُباعی تے پنجابی رُباعی'' مشمولہ کلام فقیر جلد اول بھی قابلِ تحسین کوشش ہے۔

قیامِ پاکستان کے فوراً بعد پنجابی نثر کی اوّلین کتاب ''پنج ہادی'' تصنیف کی۔ اِس کتاب میں حضرت محمد ﷺ اور اُن کے چار خلفائے راشدین کی زندگیوں کے حالات اور کارہائے نمایاں کو تفصیلاً بیان کیا گیا ہے۔ اِس کتاب کے بارے میں پنجابی زبان وادب کے معروف محقق، نقاد اور استاد پروفیسر محمد اسلم رانا کی رائے اِس طرح ہے :(اُردو ترجمہ)

''اُن کی ایک کتاب ''پنج ہادی'' خاص توجہ کی حقدار ہے۔ اِس کا اُسلوب بیان نہایت سادہ اور دلکش ہے۔ اِس کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن نظر اسلامی تاریخ پر کس قدر گہری تھی'' (۱۹)

پروفیسر خالد ہمایوں کی رائے اس کتاب کے بارے میں اس طرح ہے : (اُردو ترجمہ)

''اِس کتاب سے ڈاکٹر فقیر نے ایک طرف پنجابی نثر کو ایک نیا رجحان دیا دوسرے پنجابی زبان اور ادب کو سیکولرازم کے اندھیروں میں گُم ہونے سے بچالیا۔ اُن کی اس قومی خدمت کو پاکستان کی تہذیبی تاریخ میں کبھی بُھلایا نہیں جا سکے گا۔''(۲۰)

بابائے پنجابی کے شعری سفر کا تیسرا دور ۱۹۴۷ء سے ۱۹۷۱ء تک کے چوبیس سالوں پر محیط ہے۔ پہلے دو ادوار میں وہ بالترتیب ''تحریکِ آزادیٔ ہند'' اور ''تحریکِ قیامِ پاکستان'' کے تحریکی مجاہد کے طور پر کام کرتے رہے اور اِس تیسرے دور میں اُنہوں نے ایک دانش ور، حکیم ملت، مصلحِ قوم اور لیڈر کا کردار ادا کیا اور ''تحریکِ تعمیرِ پاکستان'' کے ایک عظیم مجاہد کی حیثیت میں سامنے آئے۔ یہاں ایک بات ذہن نشین رہنی چاہیئے کہ یہ سب کردار ثانوی حیثیت رکھتے ہیں اُن کی اوّلین حیثیت ایک پیدائشی شاعر کی ہے۔ ایک ایسا شاعر جو اپنی قوم کا بہترین نباض ہے۔ جو اپنی قوم کو ایک جسم کی

صورت دیکھتا ہے اور خود بقول حضرت علامہ محمد اقبالؒ اُس کی آنکھ کا کردار ادا کرتا ہے اور جب اُس جسم کا کوئی حصہ مبتلائے درد ہوتا ہے تو پھر اُس آنکھ سے آنسو ٹپکتے ہیں جو شاعری کی صورت اختیار کرتے چلے جاتے ہیں۔(۲۱) بابائے پنجابی کے شعری سفر کے تیسرے دور میں اُن کے تین شعری مجموعے شائع ہوئے۔ ۱۹۵۶ء میں ''موآتے'' ۱۹۶۵ء میں ''ستاراں دِن'' اور ۱۹۶۸ء میں ''پاٹے گلمے'' شائع ہوئی۔بابائے صحافت مولانا ظفر علی خان لکھتے ہیں کہ مولانا الطاف حسین حالی نے جو کام اپنی تخلیق ''مسدسِ حالی'' سے لیا وہی کام ڈاکٹر فقیر محمد فقیر نے ''موآتے سے لیا''۔(۲۲)

اِس کتاب کو پنجاب یونی ورسٹی نے انعام سے نوزا۔(۲۳) نیا گھر آباد ہونے کے بعد گھر کے بزرگ بچوں کو اس تعمیر نو کی حفاظت اور ترقی کے لیے جو نصیحتیں کر رہے ہوتے ہیں وہی اس کتاب کے موضوعات ہیں۔قومی اور ملی جذبات کو تحریک دینے کی خاطر تخلیق ہونے والی شاعری بھی تا ابد زندہ رہتی ہے۔یہ کتاب ایم اے پنجابی کے نصاب میں شامل ہے۔

کیوں ڈرنا ایں وِنج کے ایویں جُھلدے جھکھڑ جُھلن دے
پے کے طُوفاناں دے ہتھیں دِل دے جھاکے کُھلن دے
طاقت اوہدی دا کردا اے اقرار زمانہ
دُنیا تے جہدیاں بازوواں وِچ اے عمل دا زور

عمل دی دنیا وِچ آہلک آہریاں دی ریت نہیں
آہلکی دی وِچ دنیا دے بِکتے پرتیت نہیں
بے قوت دے سر تاج تے تخت بیریں
کوئی راج دربار تیرا نہ میرا(۲۴)

یہ وہ فلسفۂ زندگی ہے جو ایک نومولود قوم کو سمجھاتا تھا اور ایک ایسے نوجوان کے ہاتھ میں قلم تھا جس نے آہوں سسکیوں اور چیخ پکار کے بے ہنگم شور میں خون کا دریا عبور کر کے اپنی منزل کو پایا تھا۔اور اب وہ اپنے بچوں کو ایک زندہ اور پائندہ قوم کے رُوپ میں دیکھنے کا خواہش مند تھا۔اور پھر گھر بھی وہ بنا جس کے دروازے پر دُشمن تاک لگائے ہر وقت تیار بیٹھا تھا۔۱۹۶۵ء کی سترہ روزہ جنگ نے اُنہیں لحہ

پھر چین سے نہ بیٹھنے دیا۔ دامے درمے اور سخنے جنگ میں شریک رہے۔ ارشد میر کے مطابق باباجی کا جوش اور جذبہ دیکھ کر محسوس ہوتا تھا کہ گویا بارڈر پر جا کر بھارتی فوجیوں کے گریبان پکڑ لیں گے۔ بھارتی فوج کی پسپائی کا مذاق اُڑانے کا انداز ملاحظہ ہو:

مُورکھ بٹن نمانے آپے جھوٹھا مان ودھان لئی   ماڑی جان ہتھوں دے بہندے ماڑی جان بنان لئی

گئی شکار کرن ول جوہاں کتی اک کراڑاں دی   شیر اوتھوں لا آئی پچھے مبرنوں پڑوان لئی (۴۵)

سترہ دنوں میں تخلیق ہونے والی یہ جنگی اور رزمیہ شاعری اس قدر زیادہ تھی کہ ''ستاراں دن'' کے نام سے ایک شعری مجموعہ تیار ہوگیا۔ یہ کتاب عرصہ دراز تک پنجاب یونی ورسٹی اور دیگر یونی ورسٹیوں کے ایم اے پنجابی کے نصاب میں قومی شاعری کے طور پر پڑھائی جاتی رہی ہے۔ ۱۹۶۸ء میں گوجرانوالہ کے علمی ادبی حلقوں نے مجلسِ فکر ونظر کے زیرِ اہتمام بابائے پنجابی کے ساتھ ایک عالی شان شام منانے کا اہتمام کیا جس کی صدارت اُس وقت کے وفاقی سیکریٹری اطلاعات اور معروف دانش ور الطاف گوہر نے کی۔ اس موقعہ پر باباجی کی شاعری کا ایک مجموعہ ''پاٹے گلمے'' شائع کر کے حاضرین میں مفت تقسیم کیا گیا۔

ادبی سفر کے اس تیسرے پڑاؤ پر اُن کی نظر ایک طرف نومولود وطنِ عزیز پاکستان کی مشکلات کا مشاہدہ کر رہی تھی تو دوسری طرف ''ماں بولی'' کو اُس کا جائز مقام دلانے کے لیے تحریک چلانے کی ضرورت محسوس کر رہی تھی۔ اس تحریک کا آغاز کرنے کے لیے اُنہیں خود ہی تحریک ساز، خود ہی لیڈر اور خود ہی مجاہد بننا پڑا۔

۱۹۵۱ء میں گورنمنٹ دیال سنگھ کالج لاہور میں اُس وقت کے پرنسپل سیّد عابد علی عابد کے تعاون سے عُلما کا ایک اجلاس منعقد ہوا جس میں خصوصی طور پر صوفی غلام مصطفٰی تبسم، مولانا عبدالمجید سالک، ایم ڈی تاثیر، ڈاکٹر محمد باقر، پروفیسر تاج محمد خیال، اور اُستاد کرم امرتسری جیسے دیگر کئی علمائے کرام شریک ہوئے۔ اس اجلاس میں مرکزی خطاب بابائے پنجابی ڈاکٹر فقیر محمد فقیر نے کیا اور پنجابی زبان کی اہمیت اور ضرورت پر مفصل گفتگو کرتے ہوئے پنجابی کی دگرگوں حالت کا تذکرہ کیا۔ سب نے

بالاتفاق ''پاک پنجابی لیگ'' کے نام سے پنجابی زبان کے فروغ اور ادبی سرمائے کی حفاظت کے لیے ایک تنظیم تشکیل دی۔ اِس تنظیم کے صدر مولانا عبدالمجید سالک اور سیکرٹری ڈاکٹر فقیر محمد فقیر بنائے گئے۔ بعد ازاں اِس تنظیم کے پہلے باقاعدہ اجلاس میں پنجابی زبان میں ایک ماہوار رسالہ شروع کرنے کی ذمہ داری بابائے پنجابی کو سونپی گئی اور مولانا عبدالمجید سالک کو اُن کی معاونت کے لیے کہا گیا۔ حالات و واقعات بتاتے ہیں کہ بابائے پنجابی نے تن تنہا شبانہ روز محنت کر کے ستمبر ۱۹۵۱ء کو ''ماہوار پنجابی لاہور'' کا پہلا شمارہ شائع کیا (۲۶) اور پھر یہ رسالہ اچھے بُرے حالات کا شکار ہوتا ہوا اپریل ۱۹۶۰ء تک شائع ہوتا رہا۔ دُنیائے صحافت کے نامور اُستاد پروفیسر ڈاکٹر عبدالسلام خورشید لکھتے ہیں :

> ''ڈاکٹر فقیر محمد فقیر نے وہی کام کیا جو سر سید احمد خان نے تہذیب الاخلاق کے ذریعے اُردو ادب کو نیا رنگ دینے کے لیے کیا۔ اُن کے رسالہ ماہوار ''پنجابی'' کا پنجابی زبان کی تاریخ میں وہی مقام ہے جو اُردو زبان کی تاریخ میں سر عبدالقادر کے رسالہ ''مخزن'' کا ہے۔ مخزن نے انگریزی لکھنے پڑھنے والوں کو اُردو لکھنے پڑھنے پر لگا دیا اور پنجابی نے انگریزی اور اُردو لکھنے پڑھنے والوں کو پنجابی لکھنے پڑھنے پر لگا دیا۔''(۲۷)

ماہنامہ پنجابی کے بعد ۱۹۶۲ء میں ہفتہ وار ''وارث'' کے نام سے رسالہ شروع کیا۔(۲۸) مسعود کھدر پوش نے دینی موضوعات پر پنجابی زبان میں اوّلین ماہنامہ رسالہ ''حق اللہ'' کے نام سے شروع کیا تو جنوری سے اپریل ۱۹۶۳ء تک بابائے پنجابی نے اس کی ادارت کی۔(۲۹) بعد ازاں ایک اور ماہنامہ رسالہ شروع کرنے کی تحریک چلائی۔ ڈاکٹر سیّد اختر حسین اختر اپنے ایک مطبوعہ اِنٹرویو میں بتاتے ہیں کہ ''بابائے پنجابی نے رسالہ شروع کرنے کی بات کی تو میں نے انکار کر دیا۔ وہ خود ہی جا کر ڈیکلریشن فارم لائے مطلوبہ فیس اپنے پاس سے جمع کروائی، خود ہی رسالے کا نام ''لہراں'' تجویز کیا، رسید بک شائع کروائی اور برانڈرتھ روڈ کے تاجروں سے چندہ اکٹھا کر کے رسالہ شائع کر دیا اور اوپر لیڈیٹر کے طور پر میرا نام شائع کر دیا۔ ڈاکٹر اختر نے بتایا کہ مارچ ۱۹۶۵ء سے تا دمِ آخر (ستمبر ۱۹۷۴ء) تک یہی تسلسل رہا کہ ہر مہینے رسالے کا مواد کوجرانوالہ اُن کی خدمت میں دستی یا بذریعہ ڈاک

بھجوا دیا جاتا وہ لیڈ یٹنگ کر کے اور ترتیب لگا کر واپس بھجواتے تو ہم رسالہ شائع کر دیتے۔ بارہا گذارشات کرنے کے باوجود اُنہوں نے اپنی فقیرانہ اور بے نیازانہ روش پر کاربند رہتے ہوئے ہمیں ''لہراں'' کے سرِ ورق پر سرپرست یا چیف لیڈ یٹر یا بانی وغیرہ کے طور پر اپنا نام لکھنے کی اجازت ہرگز نہیں دی۔ غالباً ۱۹۷۲ء کے ایک شمارے پر کچھ دوستوں کے اصرار پر باباجی کا نام سرپرست کی حیثیت میں لکھ دیا گیا جس پر وہ اس قدر نالاں ہوئے کہ اگلے ہی شمارے میں اُسے ختم کرنا پڑا۔ (۳۰)

۱۹۵۲ء میں ماہوار پنجابی کی پہلی جلد میں سے نثری انتخاب کر کے ''لہراں'' کے نام سے ایک ضخیم پنجابی نثر کی شاہ کار کتاب مرتب کی۔ یہ کتاب قیامِ پاکستان کے بعد پاکستانی پنجاب میں اوّلین نثر کی کتاب تھی جس میں کہانیاں، افسانے، مضمون انشائیے وغیرہ سب کچھ شامل کیا گیا۔ بعد ازاں اِس کتاب میں سے انتخاب کر کے پنجاب یونی ورسٹی کے بی اے کے نصاب میں پنجابی آپشنل کے پرچے کے لیے ''لہراں'' کے نام سے کتاب ترتیب دی۔ (۳۱)

۱۹۵۶ء میں لائلپور (فیصل آباد) کی دھوبی گھاٹ گراؤنڈ میں بزمِ ادب فیصل آباد کے اِشتراک سے بین الاقوامی پنجابی کانفرنس عوامی سطح پر منعقد کروائی۔ جس میں حکومتِ وقت سے پنجاب کے اسکولوں میں پرائمری سطح پر پنجابی زبان میں تعلیم دینے اور ہائی سکول، کالج اور یونی ورسٹی کی سطح پر پنجابی زبان اور اس کے ادب کی پڑھائی کو لازم قرار دینے کی اپیل کی گئی۔ گویا پنجابی زبان کے فروغ اور ادب کے استحکام کی تحریک کا آغاز ہو چکا تھا۔ (۳۲)

۱۹۵۷ء میں اورینٹل کالج لاہور کے پرنسپل پروفیسر ڈاکٹر محمد باقر کے اِشتراک سے ''مغربی پاکستان پنجابی ادبی اکادمی'' کی بنیاد رکھی۔ (۳۳) اور اس اکادمی کے زیرِ اہتمام پنجابی زبان کے تمام تر صوفیا کرام کے کلام کو مرتب کر کے تحقیقی اور تنقیدی مقدمے لکھ کر شائع کیا۔ اِن میں ''کلیاتِ بُلھے شاہ، ہیر وارث شاہ، ہیر شاہ جہان مقبل، میاں محمد بخش کی سیف الملوک، نادر شاہ دی وار از نجابت، پیر محمد کی چٹھیاں دی وار، شاہ محمد کی سکھاں دی وار، پیلو کی مرزا صاحباں، حافظ برخوردار کی مرزا صاحباں، کلیاتِ ہدایت اللہ از میاں ہدایت اللہ، کلیاتِ علی حیدر ملتانی، ککارے، کلیاتِ ہاشم شاہ، اور بول فریدی از بابا فرید الدین گنج شکرؒ شامل ہیں۔ (۳۴)

۱۹۶۰ء میں پنجاب کے عظیم صوفی شاعر حضرت بابا بُلھے شاہؒ کے فکر وفن پر ایک تحقیقی اور تنقیدی کتاب ''بُلھے شاہ فن تے شخصیت'' لکھی۔(۳۵) اسی سال چھٹی جماعت کے لیے پنجابی کی نصابی کتاب ''پنجابی دی پہلی کتاب'' کے عنوان سے ترتیب دی۔ علاوہ ازیں ساتویں جماعت کے لیے ''پنجابی دی دوجی کتاب'' کے عنوان سے اور ''پنجابی دی تیسری کتاب'' آٹھویں جماعت کے لیے اور پھر ''پنجابی کتاب'' کے عنوان سے نویں دسویں جماعت کے لیے ڈاکٹر مہر عبدالحق کے اشتراک سے نصابی کتاب تیار کی۔ ان کتب کی اشاعت نیشنل ٹیکسٹ بک کارپوریشن لاہور نے کی۔(۳۶)

''پنجابی زبان تے ادب دی مختصر تاریخ'' پنجابی میں (۳۷) اور مرکزی اُردو بورڈ کے زیرِ اہتمام ایک کتاب ''پنجابی زبان وادب کی تاریخ'' تقریباً سات سو صفحات پر مشتمل اُردو زبان میں تحریر کی۔(۳۸) علاوہ ازیں ''تاریخ گوجرانوالہ'' بھی اُردو زبان میں تحریر کی۔(۳۹)

پنجابی زبان میں نظری تنقید کی اوّلین کتاب ''مہکدے پُھل'' تحریر کی جس میں پنجاب کے عظیم صوفیا کی زندگیوں کے احوال وآثار اور فکر وفن پر تحقیقی اور تنقیدی مقالے تحریر کیے۔(۴۰)

مرکزی اُردو بورڈ جو اب اُردو سائنس بورڈ بن چکا ہے کے زیرِ اہتمام ہیر وارث شاہ کا اُردو ترجمہ کیا۔(۴۱) فارسی زبان کے شہرہ آفاق شاعر عُمر خیام کی رُباعیات کا پنجابی رُباعیات کی صورت میں ترجمہ کیا۔(۴۲) مولانا سیّد مناظر احسن گیلانی کی سیرت النبی ﷺ کے موضوع پر اُردو نثر میں لکھی ہوئی مشہور زمانہ کتاب ''النبی الخاتم'' کا منظوم پنجابی ترجمہ کیا۔(۴۳)

وہ تمام عُمر پنجابی زبان وادب کے طلبہ اور شائقین کے درمیان شمع بن کر جلتے رہے۔ علامہ علاؤالدین صدیقی کی وائس چانسلری کے دور میں پنجاب یونی ورسٹی میں ایم اے پنجابی کی کلاسیں شروع کروائیں۔(۴۴) پنجاب یونی ورسٹی میں فاضلِ پنجابی کا امتحان پاس کرنے والوں کو وہی حقوق دلائے جو دوسرے مضامین میں فاضل کا امتحان پاس کرنے والوں کو ملتے تھے۔(۴۵)

اُن کی ذاتی فائلوں اور ڈائریوں سے ملنے والے بے شمار سرکاری خطوط سے معلوم ہوتا ہے کہ مختلف سطح کے تعلیمی اور امتحان لینے والے اداروں میں لیکچرز دینے اور زبان وادب کے ممتحن کی حیثیت میں بھی خدمات سرانجام دیتے رہے۔(۴۶)

گویا پنجابی زبان میں باقاعدہ فنی نثر نویسی کا آغاز اُنہوں نے کیا۔ قیامِ پاکستان کے بعد پاکستانی پنجاب میں پنجابی پرچہ کاری کی مضبوط بنیادیں استوار کیں۔ پنجابی زبان کو معاصر ترقی یافتہ زبانوں کی مانند عصری تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کے لیے اور اِسے علمی ادبی اخباری صحافتی تعلیمی اور معاشرتی سطح پر ایک معیاری اور ترقی یافتہ زبان کی حیثیت سے رائج کرنے کے لیے انتھک جدوجہد کی اور سرگرم تحریک چلائی۔ اُنہوں نے پنجابی مفکر کی حیثیت سے عصری ضروریات کے مطابق پنجابی شعر و ادب کو متعدد اور متنوع موضوعات دیئے۔ اِسے نیا اُسلوب اور نیا آہنگ بخشا اور ہیئت کی کئی صورتوں سے آشنا کیا۔ اُن کی شعری زبان جزالتِ لفظی، بلاغتِ معنی، حُسنِ خیال، رفعتِ فکر، صداقتِ جذبہ، نزاکتِ احساس، سلاستِ بیان اور دیگر فنی خوبیوں کا مرقع ہے۔ جبکہ موسیقیت تاثیر، درد و سوز، نقطہ کوئی اور حکمت طرازی اِس کا لازمی عنصر ہے۔ بلاشبہ وہ پنجابی زبان کے نہایت عظیم فلسفی، شاعر، مفکر اور سیوک تھے۔ اُن کی ذات میں پنجابی زبان کی ادبی اور لسانی تاریخ میں عظیم نثر نگار، ماہرِ فن، صاحبِ طرز شاعر، نقاد، محقق، مورخ، ماہرِ لسانیات اور تحریک ساز بیک وقت اکٹھے ہو گئے تھے۔(۴۷)

اِنہی حقائق کی روشنی میں ہم بلامبالغہ پنجابی زبان کی بیسویں صدی کو بابائے پنجابی ڈاکٹر فقیر محمد فقیر کے نام کے ساتھ منسوب کر سکتے ہیں۔

☆☆☆☆☆

حوالہ جات

(۱) کچی منڈیر پر ایک چراغ، محمد جنید اکرم، مضمون، (خیام پنجاب / محمد جنید اکرم) اگست ۲۰۱۱ء بزمِ فقیر پاکستان، ٹاؤن شپ، لاہور

(۲) ''پنجابی'' تماہی، لاہور، محمد جنید اکرم، ایڈیٹر، جولائی ۲۰۰۰ء تا مارچ ۲۰۰۱ء خصوصی شمارہ، بابائے پنجابی نمبر صفحہ ۳۴، مضمون، (میری آپ بیتی، ڈاکٹر فقیر محمد فقیر)

(۳) کچی منڈیر پر ایک چراغ، محمد جنید اکرم،، مضمون، اگست ۲۰۱۱ء

(۴) کلامِ فقیر، جلد اول، فقیر محمد فقیر ڈاکٹر، جولائی ۲۰۰۲ء، (پرکھ / ڈاکٹر موہن سنگھ دیوانہ) بزمِ فقیر پاکستان، ٹاؤن شپ، لاہور

(۵) کھوج، (قلمی نسخہ نمبر) چھماہی، لاہور، شہباز ملک، مدیر، جنوری تا دسمبر ۱۹۸۲ء، شعبہ پنجابی پنجاب یونی ورسٹی لاہور، صفحہ ۱۳۲، مضمون، (میرے ذاتی کتب خانے دے پنجابی قلمی نسخے، ارشد میر)

(۶) ہیر رانجھا، فقیر محمد فقیر، ڈاکٹر، اَن چھپی داستان، (کجھ شعر) ذاتی لائبریری محمد جنید اکرم

(۷) کھوج، جنوری تا دسمبر ۱۹۸۲ء، شعبہ پنجابی پنجاب یونی ورسٹی لاہور، صفحہ ۱۳۲

(۸) سَسّی، فقیر محمد فقیر، ڈاکٹر، اَن چھپی مثنوی، (کجھ شعر) ذاتی لائبریری محمد جنید اکرم

(۹) مہر وماہ، ماہنامہ، لاہور، مدیر اعلیٰ ابوالطاہر فدا حسین فدا، خصوصی شمارہ دسمبر ۱۹۷۶ء داستانِ فقیر، بابائے پنجابی نمبر، صفحہ نمبر ۱۵، مضمون (رتن دامن، ارشد میر)

(۱۰) محولہ بالا (۱۱) محولہ بالا

(۱۲) ڈاکٹر فقیر محمد فقیر، مرتب محمد جنید اکرم، جون ۱۹۹۲ء پاکستان پنجابی ادبی بورڈ، لاہور، مضمون، صفحہ نمبر ۲۳، (ڈاکٹر فقیر دیاں علمی تے ادبی خدمتاں/ ڈاکٹر محمد اسلم رانا)

(۱۳) صدائے فقیرؒ، ڈاکٹر فقیر محمد فقیر، چوتھا ایڈیشن، اگست ۲۰۰۷ء، بزمِ فقیر پاکستان، ٹاؤن شپ، لاہور

(۱۴) ''پنجابی'' تماہی، لاہور محمد جنید اکرم، ایڈیٹر، جولائی ۲۰۰۰ء تا مارچ ۲۰۰۱ء خصوصی شمارہ، بابائے پنجابی نمبر صفحہ ۴۳، مضمون، (میری آپ بیتی، ڈاکٹر فقیر محمد فقیر)

(۱۵) صدائے فقیرؒ، ڈاکٹر فقیر محمد فقیر، چوتھا ایڈیشن، اگست ۲۰۰۷ء، بزمِ فقیر پاکستان، ٹاؤن شپ، لاہور

(۱۶) ہکی منڈیر پر ایک چراغ محمد جنید اکرم، اگست ۲۰۱۱ء (۱۷) محولہ بالا

(۱۸) کلامِ فقیر (دوجی جلد، غزل رنگ) فقیر محمد فقیر ڈاکٹر، نومبر ۲۰۱۲ء بزمِ فقیر، پاکستان، لاہور

(۱۹) ڈاکٹر فقیر محمد فقیر صفحہ نمبر ۲۳

(۲۰) پنج ہاڑی، فقیر محمد فقیر ڈاکٹر، نومبر ۲۰۱۱ء بزمِ فقیر پاکستان، ٹاؤن شپ، لاہور

(۲۱) بانگِ درا، اقبال علامہ ڈاکٹر، نظم/ شاعر، کلیاتِ اقبال ۱۹۹۰ء اقبال اکادمی، پاکستان لاہور

(۲۲) موآ تے، فقیر محمد فقیر ڈاکٹر، اگست ۲۰۰۷ء، چوتھا ایڈیشن، بزمِ فقیر پاکستان، ٹاؤن شپ، لاہور

(۲۳) ہکی منڈیر پر ایک چراغ محمد جنید اکرم، اگست ۲۰۱۱ء

(۲۴) موآ تے، فقیر محمد فقیر ڈاکٹر

(۲۵) ستاراں دِن، فقیر محمد فقیر ڈاکٹر، جنوری ۲۰۰۸ء (چوتھا ایڈیشن) بزمِ فقیر پاکستان، لاہور

(۲۶) ''پنجابی'' تماہی، لاہور، جولائی ۲۰۰۰ء تا مارچ ۲۰۰۱ء، صفحہ ۳۶

(۲۷) ''پنجابی'' تماہی، لاہور، جولائی ۲۰۰۰ء تا مارچ ۲۰۰۱ء، صفحہ ۲۱

(۲۸) ''پنجابی'' تماہی، لاہور، جولائی ۲۰۰۰ء تا مارچ ۲۰۰۱ء، صفحہ ۳۹۵

(۲۹) بابا ئے پنجابی تے حق اللہ، مرتب محمد جنید اکرم، ۱۹۹۶ء اور ینٹ پبلی شرز، اُردو بازار، لاہور

(۳۰) ''پنجابی'' تماہی، لاہور، جولائی تا ستمبر ۱۹۹۸ء، جیون پندھ، صفحہ ۴۲

(۳۱) لہراں، فقیر محمد فقیر ڈاکٹر، پنجابی نثری مجموعہ، ۱۹۵۲ء قریشی بک ایجنسی لاہور

(۳۲) پنجابی، ماہوار، لاہور، فقیر محمد فقیر ڈاکٹر، ایڈیٹر، مارچ اور مئی ۱۹۵۶ء (اداریے)

(۳۳) کچی منڈیر پر ایک چراغ، محمد جنید اکرم، اگست ۲۰۱۱ء

(۳۴) کچی منڈیر پر ایک چراغ، محمد جنید اکرم، اگست ۲۰۱۱ء

(۳۵) بلھے شاہ، فقیر محمد فقیر ڈاکٹر، ۱۹۹۶ء، کلاسیک ناشر و تاجر کتب، مال روڈ لاہور

(۳۶) کچی منڈیر پر ایک چراغ، محمد جنید اکرم، اگست ۲۰۱۱ء

(۳۷) کھوج، جنوری تا دسمبر ۱۹۸۲ء، صفحہ ۱۳۲

(۳۸) پنجابی زبان و ادب کی تاریخ، فقیر محمد فقیر ڈاکٹر، ۲۰۰۲ء، سنگ میل پبلی شرز، لاہور

(۳۹) تاریخ گوجرانوالہ، فقیر محمد فقیر ڈاکٹر، ۱۹۹۷ء بزمِ فقیر پاکستان، ٹاؤن شپ، لاہور

(۴۰) مہکدے پھل، فقیر محمد فقیر ڈاکٹر ۱۹۹۲ء (نیا ایڈیشن) عظیم اکیڈمی، اُردو بازار، لاہور

(۴۱) ''پنجابی'' تماہی، لاہور، جولائی ۲۰۰۰ء تا مارچ ۲۰۰۱ء، صفحہ ۴۷

(۴۲) کھوج، جنوری تا دسمبر ۱۹۸۲ء، صفحہ ۱۳۲

(۴۳) آخری نبی ﷺ، فقیر محمد فقیر ڈاکٹر، منظوم پنجابی ترجمہ النبی الخاتم/مولانا سید مناظر احسن گیلانی، مارچ ۲۰۰۸ء، دوسرا ایڈیشن، بزمِ فقیر پاکستان، ٹاؤن شپ، لاہور

(۴۴) مہر و ماہ، ماہنامہ، لاہور، خصوصی شمارہ نومبر، دسمبر ۱۹۷۵ء، یادگار فقیر، صفحہ نمبر ۳۲

(۴۵) ''پنجابی'' تماہی، لاہور، جولائی تا ستمبر ۱۹۹۸ء، صفحہ ۴۲

(۴۶) سرکاری اور مختلف احباب کے خطوط وغیرہ بنام ڈاکٹر فقیر محمد فقیرؒ جو راقم کے ذاتی کتب خانے میں محفوظ ہیں۔

(۴۷) کاروان، سالانہ ادبی مجلہ ۱۹۹۴-۱۹۹۳ء گورنمنٹ اسلامیہ کالج، گوجرانوالہ، (پنجابی زبان و ادب کا محسن/پروفیسر کبیر احمد مظہر)

✿ ✿ ✿